مسیح محمدیؐ کا آخری سفر

از چودھری نعمت اللہ خان صاحب گوہر بی۔اے

چودھری صاحب پہلے شخص ہیں۔ جو حضور کی شدید ترین بیماری کی خبر سن کر قادیان پہنچے تھے۔ اور اُن کے آنے کے ساتھ ہی حضور کی وفات کے متعلق تار بھی پہنچ گیا تھا۔ ایڈیٹر

ہاں اُٹھا اے ساحرِ ایام یہ جادو ذرا　عہدِ گذشتہ پہ پانے دے مجھے قابو ذرا
خون رُلواتی ہے دل کو صحبتِ ہمزا کی یاد　آج مجنوں کو ہے تڑپاتی رُخِ لیلےٰ کی یاد
باتوں ہی باتوں میں قرنِ زندگی اک کٹ گیا　سایہ اپنا بڑھ گیا۔ اور نورِ فطرت گھٹ گیا

وہ لوگ جنہوں نے دلی کا غدر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ لڑکپن میں ہمیں غدر کے واقعات سناتے۔ تو ہم غدر کے زمانے کو بہت دور دراز کا زمانہ خیال کرتے تھے۔ حالانکہ سنانے والے کے نزدیک وہ کل کی سی بات ہوتی تھی۔ اب ہم اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر کہہ سکتے ہیں۔ کہ فی الواقعہ سال و ماہ کا گذرنا ایک وہم ہے۔ زمانہ نہیں بدلتا بلکہ ہم خود بدلتے ہیں۔ اور ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے یہ سمجھنے لگتے ہیں، کہ زمانہ بدل گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آخری زمانہ اور آپ کی وفات کے واقعات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ آج حضور کی وفات پر اکتیس سال اور تحریرِ وصیت پر ساڑھے تینتیس سال گذر چکے ہیں لیکن مجھے قطعاً یقین نہیں آتا۔ کہ فی الواقعہ اتنی مدت گذر چکی ہے میرے نزدیک وہ بالکل کل کی سی بات ہے۔

اپریل ۱۹۰۸ء کا آخری عشرہ تھا۔ کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قادیان سے لاہور جانے کا عزم فرمایا۔ اس سفر کیلئے یہ تقریب پیش آئی۔ کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی طبیعت ناساز تھی۔ اور وہ باربار لاہور جانے اور وہاں جاکر تبدیلی آب و ہوا کے ذریعہ صحتیاب ہونے پر زور دیتی تھیں۔ حضرت اقدس کو چونکہ اس سے پہلے اپنی وفات کے متعلق اطلاعیں مل چکی تھیں۔ اس لئے حضور قدرتاً سفر سے باز رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ میں ان دنوں قادیان ہی میں تھا۔ کیونکہ ۱۹۰۷ء میں بمعہ اپنے خویش و اقارب کے ہجرت کر کے قادیان میں آرہا تھا۔ ایک دن سرِ شام یہ اطلاع ملی۔ کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے لاہور جانے کا عزم فرمایا ہے۔ اس لئے ایک دو چھکڑے اور ایک آدھ بہلی اور شاید ایک دو یکے بھی شام ہی کو بٹالہ جانے کے لئے تیار کھڑے پائے گئے۔ حضور نے فجر دم روانہ ہونا تھا۔ میں اور دوسرے کئی احمدی تھوڑی رات رہے جبکہ لوگ تہجد کی نماز میں مشغول تھے۔ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر احمدی بازار میں آئے۔ تاکہ حضرت اقدس کی روانگی کے وقت کوئی خدمت بجالائیں جب ہم مسجد مبارک کے قریب آئے۔ تو کسی نے بتایا۔ کہ حضرت اقدس نے اپنا سفر ملتوی کر دیا ہے۔ کیونکہ آپ کو یہ الہام آج شب کو ہوا ہے :-

مباش ایمن از بازیٔ روزگار

آپ خائف ہوئے اور اس روز سفر کو ملتوی کر دیا۔ ایک دو روز کے بعد حضرت ام المومنین نے پھر لاہور جانے پر زور دیا۔ تو آپ خدا کا نام لے کر چل ہی پڑے۔ اپنے ہاتھ سے مکان کو تالا لگایا۔ اور تمام اہل بیت کے ہمراہ عازمِ سفر ہوئے۔ اور بٹالہ پہنچ گئے۔ بٹالہ جاکر آپ نے فرمایا۔ کہ چند روز بٹالہ ہی میں قیام کرتے ہیں۔ لاہور جانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن چونکہ حضرت ام المومنین کی خاطر منظور تھی۔ لہذا لاہور کو روانہ ہو گئے۔ اور اسی روز وہاں بخیر و عافیت پہنچ گئے۔

میں نے اس سال ٹریننگ کالج لاہور میں داخل ہونا تھا۔ چنانچہ ماہ مئی کے نصف کے قریب میں وہاں پہنچ گیا اس طرح مجھے غالباً دو ہفتے تک لاہور میں رہنے اور حضرت اقدس کے آخری حالات اور واردات کو بچشم خود دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور میں احمدیہ بلڈنگز میں خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کے مکان پر فروکش ہوا تھا۔ حضرت اقدس کی تشریف آوری لاہور کی تقریب سے سینکڑوں احمدی احباب دور و نزدیک سے آکر دن رات احمدیہ بلڈنگز میں ڈیرے ڈالے پڑے رہتے تھے۔ رات کو احمدیہ بلڈنگز کے وسیع میدان میں گھاس پر چٹائیاں بچھا کر سو رہتے تھے۔ حضور حسبِ معمول دن کے وقت نمازوں میں باہر تشریف لایا کرتے تھے۔ خدام اور زائرین کا ان اوقات میں جمگھٹا ہوتا تھا۔ سائل اپنے سوالوں کا جواب تسلی بخش پاتے تھے۔ اور دیدار کے بھوکے حضور کے روشن چہرہ ہی کو دیکھ کر سیراب ہو جاتے۔ مفتی محمد صادق صاحب ان دنوں اخبار بدر کے ایڈیٹر تھے۔ ان کو حضرت اقدس نے لاہور میں بلوا کر حکم دیا تھا۔ کہ حضور کے قیام لاہور تک اخبار 'بدر' لاہور ہی سے شائع ہوا کرے۔ چنانچہ حضورؑ کی ڈائری اور تازہ الہامات لاہور ہی سے بذریعہ اخبار خریداروں کی خدمت میں ارسال ہوا کئے۔

غالباً ۱۹۔ یا ۲۰ مئی کو حضور پرانے مرض سہال سے بیمار ہوئے۔ اور دو تین دن صاحب فراش رہے ۲۲ مئی کو جمعہ کا روز تھا۔ حضور کو افاقہ ہو گیا اور حضور جمعہ کی نماز میں شریک ہوئے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر حضور اپنے قیامگاہ کی طرف تشریف لے جارہے تھے۔ کہ میں نے اور صوفی حافظ غلام محمد صاحب بی۔اے نے لپک کر گلی کے اندر حضور سے مصافحہ کیا۔ میں نے حضور کے چہرہ کو دیکھا۔ تو گلاب کے پھول کی طرح کھلا ہوا پایا۔ بیماری کی کوئی علامت نہ تھی۔ اس سے اگلے دن حضور نے شہر کے بعض ہندو شرفا کی درخواست پر ایک لیکچر لکھنا شروع کیا۔ جس کا نام "پیغام صلح" تجویز ہوا تھا۔ ایک کاتب نے ساتھ کے ساتھ کتابت بھی شروع کر رکھی تھی۔ اس لیکچر کا موضوع "ہندو مسلم اتحاد" تھا۔ اور آپ کی وفات کے بعد چھپ گیا تھا۔ اس میں "ہندو مسلم اتحاد" کا جو بنیادی اصل قائم کیا گیا ہے۔ وہ اپنی نظیر آپ ہے۔

باوجود اس وقتی صحت یابی کے حضور ہر وقت سفرِ آخرت کے لئے تیار نظر آتے تھے۔ وجہ یہ تھی۔ کہ حضور کو پچھلے دو سالوں میں پے در پے خبریں اپنی وفات کی ملتی رہی تھیں۔ اور اب دورانِ قیام لاہور میں ذیل کے تازہ الہامات ہوئے تھے :-

(۱) مکن تکیہ بر عمر ناپائدار

(۲) اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ الرَّحِیْلُ۔

(۳) مت ڈرو مومنو۔

(۴) خوشیاں منائیں گے۔

یہ اخبار میرے سامنے اخبار بدر میں چھپا شائع ہوئے۔ اس سے قریبًا ایک ماہ پیشتر جبکہ آپ لاہور جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس وقت بھی آپ کو "الرحیل ثم الرحیل" کا الہام ہوا تھا۔ لیکن اکثروں نے اس وقت یہ خیال کیا۔ کہ حضورؑ کوئی سفر کریں گے۔ سفر آخرت کا خیال شاید ہی کسی کو آیا ہو۔

ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ نماز عصر کے بعد حسب معمول آپ مصلے پر بیٹھے تھے۔ احباب کا ایک گروہ جھومٹ ڈالے ارد گرد بیٹھا ہوا تھا۔ خواجہ کمال الدین صاحب بھی موجود تھے۔ "پیغام صلح" کا مضمون کاتب لکھ رہا تھا۔ اور خواجہ صاحب اپنی نگرانی میں اُسے لکھوا رہے تھے۔ حضورؑ نے پوچھا۔ کہ خواجہ صاحب! مضمون کا کیا حال ہے؟ خواجہ صاحب نے کہا۔ کہ حضورؑ کاتب لکھ رہا ہے۔ حضورؑ نے فرمایا کہ خواجہ صاحب۔ جلدی کیجئے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں۔ کہ ہماری صحت کا کیا حال ہے؟

یہ مضمون ایک جلسہ عام میں پڑھا جانا تھا۔

۲۵ مئی کو آپ اپنا مضمون ختم کر چکے تھے۔ شام کے وقت بعد غروب آفتاب حسب معمول ہوا خوری کو جانے لگے۔ تو فرمایا کہ "آج ہم اپنا کام ختم کر چکے ہیں"۔ فی الواقعہ آپ کا یہ آخری کام ہی ثابت ہوا۔ یہ کہہ کر مستورات اہل بیت کی معیت میں بند گاڑی میں بیٹھکر ہوا خوری کو حسب معمول تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس آکر کھانے پر بیٹھے۔ حضرت خلیفہ ثانی مرزا محمود احمد سلمہ اللہ کی روایت ہے۔ کہ حضور نے چند لقمے کھائے تھے۔ کہ جائے ضرور میں جانے کی حاجت محسوس ہوئی آپ فورًا کھانے سے ہاتھ اُٹھا کر جائے ضرور میں چلے گئے۔ وہاں سے لوٹ کر بستر پر دراز ہو گئے۔ تھوڑے وقفے کے بعد پھر حاجت ہوئی۔ اور اسہال آنے لگے۔ گویا وہی مرض جس میں حضور ہفتہ گذشتہ میں مبتلا ہوئے تھے، تین دن کے افاقہ کے بعد عود کر آیا۔ جماعت کے لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ سب مضطرب الحال تھے۔ مگر اس بات کا غالبًا کسی کو بھی یقین نہ تھا۔ کہ حضور اگلی صبح کو داغ مفارقت دے جائیں گے۔ آدھی رات کے وقت اکثر جماعت کے لوگ اُٹھ کر نماز تہجد میں مصروف ہو گئے۔ میں نے بھی نماز تہجد پڑھی۔ اور دو نفل خاص حضور کی صحت کی دعا کے لئے پڑھے۔ اس وقت میر محمد اسحٰق صاحب اتفاقًا باہر آئے۔ تو میں نے ان سے حضور کی طبیعت کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا۔ کہ حضور کو دست آتے رہے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ کیا کوئی قے بھی آئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہاں قے بھی آئی ہے۔ سحری کے وقت یعنی نماز فجر کی اذان سے ذرا پہلے سید محمد احسن صاحب امروہی باہر تشریف لائے۔ میں نے ان سے حضور کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا۔ کہ تکلیف بہت ہے۔ اور حضور نے کچھ وصیت بھی کی ہے۔

یہ ان کا خیال صحیح نہ تھا۔ وصیت تو حضور ۲½ سال پہلے ہی کر چکے تھے۔ بات یہ تھی۔ کہ حضور سے بوجہ انتہائی ضعف بولا نہیں جاتا تھا۔ اس لئے حضور نے کاغذ پر لکھ کر بتائی۔ جو الفاظ حضور نے کاغذ پر لکھے وہ یہ تھے:۔

"تکلیف یہ ہے کہ بولا نہیں جاتا۔ دوا دی جائے"۔

یہ الفاظ سوائے ایک شخص یعنی میر مہدی حسین صاحب کے اور کسی سے پڑھے نہیں جاتے تھے۔ میر صاحب نے پڑھ کر بتایا۔ کہ یہ فقرہ لکھا ہے۔

بہت سے خدام خدمت میں حاضر تھے۔ ہر دو ڈاکٹر صاحبان یعنی ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ مرحوم۔ سید محمد احسن صاحب۔ خواجہ صاحب وحضرت خلیفہ اول وحضرت خلیفہ ثانی وغیرہم تمام شب خدمت میں حاضر رہے۔ کوئی سائیکل پر دوڑا جا رہا ہے۔ کوئی بھاگا بھاگ شہر سے احمدیہ بلڈنگز کو آ رہا ہے۔ اتنے میں فجر کی اذان ہوئی۔ میر مہدی حسین صاحب کی روایت ہے۔ کہ حضور نے اذان سنکر پوچھا کہ کیا فجر ہو گئی ہے۔ اور جب حضور کو جواب دیا گیا۔ کہ ہاں۔ حضور فجر ہو گئی ہے۔ تو حضور نے پلنگ پوش پر ہاتھ مار کر تیمم کیا۔ اور لیٹے لیٹے نماز پڑھی۔ اس کے بعد تکلیف بڑھتی چلی گئی۔ مجھے اسی روز ہیڈ ماسٹر صاحب تعلیم الاسلام ہائی سکول نے قادیان بلایا تھا۔ اس لئے مجبورًا ۹ بجے دن کے قریب میں احمدیہ بلڈنگز سے روانہ ہو کر ریلوے سٹیشن پر پہنچ گیا۔ دس بجے گاڑی روانہ ہوتی تھی۔ میں نے بٹالہ کا ٹکٹ لیا اور گاڑی میں سوار ہو گیا۔ اُدھر ٹھیک دس بجے حضور کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضور کی وفات کے بعد فورًا جماعتوں کے سکرٹریوں یا پریذیڈنٹوں کے نام۔ گورنمنٹ آف پنجاب اور انڈیا کے نام۔ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے نام۔ قادیان میں مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے کے نام تاریں ارسال کی گئیں۔ قادیان میں تار خبر شام کے پانچ بجے کے قریب پہنچی۔ میں بھی لاہور سے چار بجے کے قریب قادیان پہنچ گیا تھا۔ ان دنوں بٹالہ سے قادیان تک بذریعہ کچی سڑک کے جو اب تک موجود ہے یکوں میں بیٹھ کر سفر کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ بٹالہ پہنچ کر میں نے یکہ لیا۔ میرا ہمسفر اس روز اتفاقًا لالہ شرمپت تھا۔ جو قادیان کا باشندہ اور حضرت اقدس کی بہت سی پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا چشمدید گواہ تھا۔ انہوں نے مجھ سے حضرت صاحب کا حال دریافت کیا۔ میں نے کہا کہ میں حضور کو بہت تکلیف کی حالت میں چھوڑ کر چلا تھا۔ انہوں نے کہا۔ کہ وہ بیمار تو پہلے بھی رہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ آج زیادہ بیمار تھے۔ اور ایمان کی بات تو یہ ہے۔ کہ مجھے بوجہ فرط محبت کے یہ یقین ہرگز نہ تھا۔ کہ حضور ضرور بضرور آج ہی فوت ہو جائیں گے۔ اس لئے میں نے بجز مولوی محمد علی صاحب کے اور کسی پاس فی الحال اس کا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن ایک گھنٹہ شاید گذرا ہو گا کہ حضور کی وفات کی خبر قادیان میں پہنچ گئی۔ تمام قادیان شام کے وقت اسی طرح 'ماتم کدہ' بنا ہوا تھا جس طرح صبح کے دس بجے احمدیہ بلڈنگز کی عمارات ماتم کدہ بنی ہوئی تھیں۔

قادیان میں جب حضور کی وفات کی تار پہنچی۔ تو لوگوں کو یقین نہ آیا۔ کہ یہ خبر سچی ہے۔ بلکہ شبہ گذرا کہ شاید کسی دشمن نے تار دی ہو۔ اتنے میں جناب مولوی محمد علی صاحب نے شیخ یعقوب علی صاحب سے کہا۔ کہ گوہر صاحب (یہ خاکسار) ابھی ابھی لاہور سے آئے ہیں۔ اُن سے پوچھنا چاہیئے۔ نماز مغرب کا وقت قریب تھا۔ تمام مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ میں مسجد میں پہنچا۔ میں نے حضور کی شدید علالت کا حال کھولکر بیان کیا اور جو الہامات حضور کو دو تین روز پیشتر ہوئے تھے۔ وہ بھی سنائے۔ تب لوگوں کو یقین آیا۔ کہ تار خبر سچی ہے۔ اور فی الواقعہ حضور رحلت فرما گئے ہیں۔

اُدھر لاہور میں جب حضور کی وفات ہوئی۔ تو دن کے دس بجے کا وقت تھا۔ حضور کو غسل اور کفن دیا گیا۔ حضور کی وفات کی خبر سارے شہر میں بجلی کی طرح پھیل گئی تھی۔ جماعت کے لوگ دُور دراز محلوں سے آ آکر جمع ہوتے گئے۔ ظہر کے وقت نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور حضور کے جسد مبارک کو ایک تابوت میں رکھ کر ارد گرد برف کے ڈلے احتیاطًا رکھے گئے۔ کیونکہ گرمی کا موسم تھا۔ ان دنوں ایک گاڑی ۱ بجے رات کے بٹالہ پہنچا کرتی تھی۔ اس گاڑی میں حضور کی نعش مبارک بٹالہ لائی گئی۔ گاڑی کے ہمراہ بہت سے اصحاب تھے۔ لاہور میں حضور کی وفات پر مسلمانوں کے ایک گروہ نے یہودی مولویوں کے ایماء سے جو شرمناک مظاہرہ پیش کیا۔ وہ ان لوگوں کی روحانی اور اخلاقی موت پر گواہ ٹھہر گیا۔ ان لوگوں کو اتنی جرأت تو نہ ہوئی۔ کہ حضور کی نعش کے قریب آکر پھٹکیں۔ اور آج سے اُنیس سو برس پیشتر کے یہودیوں کی طرح مسیح وقت کی بے حرمتی پر قادر ہو سکیں۔ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ ان لوگوں نے ایک انوکھی کرتوت[۵] کر کے دنیا جہان کو دکھا دیا۔ کہ وہ اپنے بھائیوں یعنی مسیح ناصری کے وقت کے یہودیوں سے کسی طرح رتبہ میں کم نہیں۔

---

[۵] اوباشوں کے ایک گروہ نے ایک مصنوعی جنازہ تیار کر کے اور ایک شخص کو چارپائی پر لٹا کر ایک جلوس نکالا۔ اور احمدیہ بلڈنگز کے پاس سے ماتم کرتے ہوئے گذرے۔ مرزا مویا منگلوار ہے۔ مرزا مویا منگلوار وہ جاہل اور بیوقوف حضرت اقدس کے منگل کے دن فوت ہونے پر خوشیاں مناتے تھے۔ لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ ایک نبی یا اوتار کا منگل کے دن وفات پانا تو دنیا کی تباہی یا مصائب شدید کے نزول کا پیش خیمہ تھا۔ خود نبی کی ذات پر تو اس سے کچھ حرف نہ آسکتا تھا کیا اس سے پہلے کوئی نبی یا ولی منگل کے دن فوت نہیں ہوا تھا؟ منگل کی حقیقت اور اثرات کا اثر یہ نام کے مسلمان کیا جانیں۔ کسی ہندو جوتشی یا فاضل پنڈت سے پوچھئے وہ تم کو بتائیگا کہ منگل کے دن فوت ہونے والا [illegible]

اگر خدا کا خاص فضل مسیح محمدی کے ساتھ شامل نہ ہوتا تو وہ ضرور اسی طرح کے کام کر کے دکھا دیتے۔ جو اصل یہودیوں نے یروشلم کے شہر میں کئے تھے۔ بلاشبہ ان کی نیت وہی ہوگی۔ جو آج سے ۱۹۰۰ برس پیشتر کے یہودیوں کی تھی۔ اور چونکہ اعمال کا بدلہ نیتوں پر موقوف ہے۔ انما الاعمال بالنیات۔ اس لئے ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ لوگ حشر کے روز اپنے اس عمل کا بدلہ اسی رنگ میں پائیں گے۔ جس رنگ میں مسیحِ ناصری کے دشمن۔ ان اللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین۔

ادھر جب قادیان میں حضور کی وفات حسرت آیات کی خبر پہنچی۔ تو عشاء کی نماز کے بعد بے شمار اصحاب جن میں عاجز راقم بھی شامل تھا۔ پیدل یلغار کرتے ہوئے قادیان سے روانہ ہوئے۔ اور رات رہے وہاں پہنچ گئے۔ صبح کی نماز بٹالہ میں باجماعت پڑھی گئی۔ اس کے بعد یہ تجویز پاس ہوئی۔ کہ حضور کی نعش مبارک کو چارپائی پر رکھ کر مخلصین جماعت ہاتھوں ہاتھ قادیان پہنچا دیں۔ چنانچہ اسی طریق پر سلسلے کے نوجوانوں نے جن میں خاکسار بھی شامل تھا، حضور کی نعش مبارک کو نہایت امن اور آرام کے ساتھ ۹ بجے کے قریب قادیان پہنچا دیا۔ حضور کی نعش حضور کی بارہ دری میں لے جا کر رکھی گئی۔ جو مقبرہ بہشتی کے ساتھ ملحق ہے۔ مرزا سلطان احمد صاحب کے آموں کے باغ میں حضرت خلیفہ اول نورالدین اعظم نے جو قبل ازیں منصب خلافت کے لئے صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے منتخب ہو چکے تھے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور عصر کے وقت حضور کی نعش مبارک بہشتی مقبرہ میں دفن کی گئی ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

لاہور میں حضور کا قریباً ایک ماہ قیام رہا۔ اس عرصہ میں جو اہم واقعات پیش آئے۔ ناظرین کے استفادہ کے لئے درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ اکابر ہنود اور مسلمین سے ملاقاتیں۔

مسلمانوں میں سر میاں فضل حسین صاحب مرحوم ایک خاص غرض لے کر حضور کی ملاقات کو آئے۔ اور حضور سے استدعا کی۔ کہ حضور اور حضور کی جماعت عام مسلمانوں کو کافر کے لقب سے یاد نہ کریں۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اس بارہ میں ہم نے پہل نہیں کی۔ بلکہ اول مسلمان مولویوں نے مجھے کافر ٹھیرایا۔ اب حدیث کی رو سے ہمارا حق ہے کہ ہم انہیں کافر قرار دیں۔ انہوں نے کہا۔ کہ اگر دوسرے مسلمان آپ کو کافر کہتے ہیں۔ تو کہیں۔ مگر آپ نہ کہیں۔ حضور نے فرمایا۔ کہ یہ بات تو شرع شریف کے خلاف ہے۔ یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔ (ملخص بالفاظ خود)

۲۔ جلسۂ دعوت

حضور نے شہر کے اکابر مسلمین کو جنمیں شہزادہ محمد ابراہیم بھی شامل تھے، دعوت دی۔ اس دعوت کا اہتمام خواجہ کمال الدین صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب وغیرہم کے سپرد تھا۔ جب تمام معززین جمع ہو گئے۔ تو حضور نے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک ایک موثر تقریر فرمائی۔ جس میں مختلف اسلامی مسائل پر روشنی ڈالی۔ پردہ کی ضرورت پر بھی زور دیا۔ اور مسئلہ نبوت اور مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ پر بھی بحث کی۔ حضور نے فرمایا۔ کہ جس مذہب کی پیروی سے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا شرف اس کے متبعین کو حاصل نہ ہو۔ وہ مذہب مردہ ہے۔ اسی طرح خدا جس طرح پہلے زمانوں میں انسان کو مقامِ نبوت تک پہنچاتا تھا۔ کیا نعوذ باللہ اب وہ مر گیا ہے۔ کہ اب نبی نہیں بنا سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حضور نے ختم نبوت کی بھی وضاحت فرما دی۔ کہ اب کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ اتنے میں کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ حضور نے سامعین سے پوچھا۔ کہ کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو تقریر جاری رکھوں۔ نہیں تو تقریر کو بند کر دوں۔ اس پر حاضرین نے کہا کہ جسمانی غذا تو ہر روز کھاتے ہی ہیں۔ روحانی غذا تو کبھی کبھی ملتی ہے۔ لہٰذا حضور نے اپنی تقریر پھر جاری فرما دی۔

ابناء زمانہ کی عقلوں پر زہ رہ کر افسوس آتا ہے کہ باوجود حضور کی پوری وضاحت کے پھر بھی انکو مسئلہ ختمِ نبوت کی سمجھ نہ آئی۔ کیونکہ تقریر سے دو یوم گذرنے پر اخباروں میں مسئلہ نبوت پر طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ اخبار عام جس کا ایڈیٹر ایک سناتنی پنڈت تھا۔ اُس نے جلسہ دعوت کی تقریر کی بناء پر اپنے اخبار میں یہ رپورٹ شائع کی۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت سے انکار کر دیا۔ لیکن آپ کی وفات پر ایک مسلمان مولوی نے ایک اسلامی اخبار میں یہ بیان دیا۔ کہ چونکہ حضرت مرزا صاحب نے جلسۂ دعوت میں یہ گستاخانہ کلام کیا تھا۔ کہ کیا خدا اب مر گیا ہے کہ وہ نبی نہیں بنا سکتا۔ اس لئے آپ کو موت نے آپکڑا۔ ان کوڑ مغزوں کو آج تک یہ سمجھ نہیں آئی۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے کبھی بھی اور کسی وقت بھی ایسی مستقل نبوت کا دعویٰ نہیں فرمایا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے الگ اور اُسے منسوخ کرنے والی ہو۔ آپکی نبوت نبی کریم کی نبوت

۳۔ مضمون لمبا ہوتا جاتا ہے۔ اور قابل بیان باتیں بہت ہیں۔ لہٰذا ایک دو ضروری امور بیان کر کے میں اپنا بیان ختم کر دوں گا۔

مئی ۱۹۰۸ء کا نصف آخر تھا۔ مولوی ابراہیم سیالکوٹی جو اہل حدیث ہیں۔ انہوں نے وفات مسیح کے بوسیدہ مضمون سے متعلق مباحثہ کرنا چاہا۔ اور اس بارہ میں حضور سے خط و کتابت شروع کی۔ حضور نے مولوی محمد احسن صاحب کو ان کے ساتھ خط و کتابت کرنے کا حکم دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد احسن صاحب کے جواب ہی نے سیالکوٹی اہل حدیث کو خاموش کر دیا۔ اور وہ آگے نہ چل سکے۔ انہی ایام میں مولویوں نے اپنا سکہ عوام کے دلوں پر جمانے کیلئے ایک تدبیر نکالی۔ عصر کی نماز کے بعد اسلامیہ کالج کی زمین میں وہ اپنا اڈا جماتے تھے۔ یہ زمین اسلامیہ کالج کی Play Ground سے جانب غرب لب سڑک واقع تھی۔ اور اس میں کسی شخص کا لکڑی کا ٹال بھی تھا۔ ایک دو لکڑی کے تخت جوڑ کر سٹیج بنایا جاتا تھا۔ جس پر کھڑے ہو کر مولوی اور سجادہ نشین باری باری حضور کی مخالفت میں تقریریں کیا کرتے تھے۔

ان مخالفین میں مولوی جعفر زٹلی۔ مولوی روحی پروفیسر عربی اسلامیہ کالج۔ جماعت علی شاہ جن کو پنجابی پیر یا پنجابیوں کا پیر ہونے کا دعویٰ تھا۔ اور شاید اب بھی ہے۔ مولوی ابراہیم سیالکوٹی اور اسی نوع کے دو ایک اور مدعیانِ علم و فضل تھے۔ یہ لوگ اپنے مُنہ کی پھونکوں سے نور اللہ کو بجھانا چاہتے تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ کے ایک سرسبز اور پھلدار درخت کو کاٹنا چاہتے تھے۔ ان سے بڑھ کر ظالم اور کوڑ مغز کون ہو سکتا تھا۔ ہم لوگ بھی اس اکھاڑے کو دیکھنے جاتے۔ یہ لوگ فخر کی مونچھوں پر تاؤ دیکر سر میدان للکارتے اور شیخی بگھارتے تھے۔ کوئی حضور کی کتب میں صرف و نحو کی غلطیاں نکالتا۔ کوئی مباحثہ کا چیلنج دیتا۔ کوئی معراج کا مسئلہ بیان کر کے عوام الناس کو مخاطب کرتا۔ اور کہتا۔ کہ دیکھو مرزا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج کا منکر ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے۔ کہ معراج کے معاملہ میں مَیں خود صاحب تجربہ ہوں۔ اس پر جہلا جو لب سڑک قطار باندھے کھڑے ہوتے تھے۔ وہ توبہ توبہ پکار اُٹھتے۔ غرضیکہ اسی قسم کی غلط بیانیاں کر کر کے ہر روز راہ گذروں اور لب سڑک کھڑے ہونے والے جاہلوں کو یہ لوگ سلسلہ احمدیہ سے بدظن کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ یزیدی فوجوں نے حضرت امام حسین رضؓ کے خیمہ کو گھیر رکھا ہے۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ امام الزمان ان کی مونہہ کی پھونکوں اور ان کی تعلیوں سے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیں۔ مگر یہ بات تو کربلا کے میدان میں بھی یزیدیوں کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ جبکہ حضرت امام حسین رضؓ کے ہمراہ صرف ۷۲ آدمی تھے۔ اور یہاں تو خدا کے فضل سے علاوہ ہزارہا جانباز سپاہیوں کے جو حضرت امام الزمان کے ہمراہ تھے۔ ملائکہ کی فوجیں بہر امداد موجود تھیں۔ پس ایسے میدان میں ان یزیدیوں کی کیا دال گلتی؟ ہر روز بکواس بک بک کر اپنا نامۂ اعمال سیاہ کراتے اور شام کو اپنا سا مُنہ لے کر گھروں کو چلے جاتے تھے۔ اور بجائے کسی برکت کے حصول کے چند ہزار لعنتیں ان کے حصے میں آجاتی تھیں۔

۴۔ انہی دنوں میں جبکہ حضور لاہور میں مقیم تھے۔ یا اس سے کچھ پیشتر ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی مُرتد نے حضور کی وفات کے متعلق ایک الہام شائع کیا تھا۔ کہ ۱۴ ساون تک مرزا فوت ہو جائیگا۔ حضور تو خود ہی اپنی وفات کی خبریں وقتاً فوقتاً بذریعہ الہام شائع کر رہے تھے۔ شیطان نے موقعہ پاکر ڈاکٹر عبدالحکیم کے کان میں ایک آواز ڈالی۔ اور استراق سمع کے ذریعہ مندرجہ بالا الہام ڈاکٹر مذکور کو سنایا۔ اب یہ کیسا نازک وقت تھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو الرحیل ثم الرحیل کا الہام کرتا ہے دوسری طرف شیطان ڈاکٹر مذکور کو کہتا ہے کہ تم اشتہار دیدو۔ کہ مرزا ۱۴ ساون تک فوت ہو جائیگا۔

چنانچہ ڈاکٹر مذکور نے ایسا ہی کیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے چونکہ صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلانا تھا۔ اس لئے شیطان نے چند روز کے بعد ڈاکٹر مذکور کو کہا۔ کہ اب تم پہلے الہام میں تھوڑی سی ترمیم کر کے اشتہار دو کہ "مرزا ۴ ساون کو فوت ہو جائیگا"۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ ۴۔ ساون ماہ جولائی ۱۹۰۸ء کی کوئی تاریخ تھی۔ لیکن حضرت اقدس اپنے رحمانی الہام کے مطابق اور ڈاکٹر مذکور کی ناک کاٹنے کے لئے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو فوت ہو گئے۔ پس ڈاکٹر مرتد کو اس کے اپنے ہی الہام نے جھوٹا ثابت کر دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

خاتمہ

میں شروع میں بیان کر چکا ہوں۔ کہ چونکہ حضرت اقدس مسیح موعود کو اپنی قریبی وفات کے متعلق بہت سے الہامات اور کشوف ہو چکے تھے۔ لہذا آپ قدرتاً ایسے وقت میں کسی سفر کے خواہشمند نہ ہو سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا۔ کہ آپ کی وفات ایک مجاہد فی سبیل اللہ کی وفات ہو۔ اور آپ دشمنوں کے مقابلہ میں لڑتے لڑتے اسلام کی راہ میں شہید ہوں۔ تاکہ نبوت کے ساتھ آپ کو شہادت کبریٰ کا درجہ بھی حاصل ہو جاتے۔ اگر آپ ماہ اپریل ۱۹۰۸ء میں عازم لاہور نہ ہوتے۔ تو ان تجلیات الٰہیہ کا ظہور کیسے ہوتا۔ جو آپ کے قیام لاہور کے دوران میں ظہور پذیر ہوئیں۔ مسئلہ النبوت فی الاسلام ختم نبوت کفر و اسلام۔ غیر احمدی کا جنازہ اور ہندو مسلم اتحاد کے دو ٹوک فیصلے کیونکر صادر ہوتے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ بات کیونکر معلوم ہوتی۔ کہ لاہور شہر میں ایسے اوباش بھی ہیں۔ جو خدا کے فرستادوں کی نعشوں پر پتھر پھینک کر کسی وقت سارے شہر کی ہلاکت اور بربادی کا موجب ہو سکتے ہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع المہدیٰ ؀

سیرت المہدی کا ایک پہلو

اپنے دوستوں کی بات ماننا

سردار مصباح الدین صاحب کے قلم سے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کان خلقہ القرآن۔ اسی طرح اگر مجھ سے کوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق کے متعلق سوال کرے۔ تو میں کہوں گا ؎

ز اخلاقِ کریم او چہ گویم
دریں ایوان نبیؐ را یادگارے

حضرت اقدس کے اوصاف اور ان کا بیان؟ یہ میرے جیسے کوتاہ قلم کو کہاں یارا ہے۔ کہ انہیں بیان بیان کر سکے۔ اول تو ان کی حدبندی ہی نہیں۔ اور دوسرے یہ کہ جس کو بھی دیکھو۔ وہ ایسا جاذب اور دلکش ہے۔ کہ ایک سے گذر کر دوسرے تک پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا ایں جاست

ماموران الٰہی تو کلمات اللہ ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً۔ پس مجھے کہاں مقدور کہ اس کلمۃ اللہ کی شبیہہ مبارک کے کسی ایک رُخ کی کوئی تصویر بنا سکوں۔ اگر مانی و بہزاد بھی قلم کاری کریں تو ہمارے مسیحا کے کسی ایک حسن کے ایک رُخ کی تکمیلِ تصویر سے بھی اپنے آپ کو عاجز ہی پائیں۔ حضرت کی سیرت کے گلشن میں پھولوں کی اس قدر کثرت ہے۔ کہ میرے تنگ دامن میں بھلا وہ کیسے سما سکیں ؎

داماں نگہ تنگ گل حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

بہرحال میں ناظرین الحکم کے لئے صرف ایک نوع اور ایک رنگ و بُو کے چند پھولوں کا گلدستہ نذر لایا ہوں۔ کہ وہ ان کے مشامِ جان و ایمان کو تازہ کریگا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ میں سے ایک وصفِ پاک قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ یومن باللہ و یومن للمومنین و رحمۃ للذین اٰمنوا منکم (توبہ ع) اللہ پر ایمان لاتا ہے اور مومنوں کی بات مانتا ہے۔ اور جو تم میں سے ایمان لانیوالے ہیں۔ ان کے لئے رحمت ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یومن للمومنین کا خُلق آپؐ کے ظلّ کے اندر پوری شان سے جلوہ فگن ہے۔ حضرت اقدس اس حد تک اپنے دوستوں کی بات مانتے تھے۔ کہ اگر حضرت کے اِسی وصف پر ہی غور کیا جائے تو آپ کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ برحق ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

حضرت اقدس کے ایک دوست منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی نے بیان کیا۔ کہ حضرت صاحب اسی طرح ہماری باتوں کو مانتے تھے۔ جس طرح کہ شفیق باپ اپنے لاڈلے بچوں کی بات مانتا ہے۔ منشی صاحب موصوف نے ایک واقعہ بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ صبح کے وقت میں اور منشی عبد اللہ صاحب سنوری حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے ہمیں ایک تازہ الہام سنایا۔ خدا کی حکمت وہ تھوڑی دیر کے بعد پورا بھی ہو گیا۔ ہم نے حضرت صاحب سے عرض کیا۔ کہ آپ ہمیں اس خوشی میں گوشت کھلائیں۔ آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ گھر میں گوشت پکنے کی ہدایت فرما دی۔ دوپہر کو جب کھانے کا وقت آیا۔ تو حضرت ام المومنین کو ایک مذاق سوجھا۔ آپ نے بوٹیاں تو سب الگ کر لیں۔ اور ایک قاب میں شوربہ ڈالکر حضرت کے ہاتھ باہر بھیجدیا۔ حضرت خوشی خوشی ہمارے ساتھ کھانے پر بیٹھ گئے اور کھانا شروع کر دیا۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے عرض کی۔ حضرت آپ نے تو ہمیں گوشت کھلانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اور یہ تو خالی شوربہ ہی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں منشی صاحب بے شک ہم نے تو گوشت کھلانے کا وعدہ کیا تھا۔ میں ابھی اندر سے گوشت لاتا ہوں۔ گھر میں جا کر کہا۔ کہ ہم نے تو گوشت کھلانے کا وعدہ کیا تھا۔ اور آپ نے صرف شوربا ہی بھیجا ہے۔ تو حضرت ام المومنین نے کہا کہ بوٹیاں تو گھل گئی ہیں یہ سن کر حضرت باہر تشریف لائے اور حضرت ام المومنین کا جواب سنا کر پھر اسی طرح اطمینان سے بیٹھ گئے کہ گویا جیسے کہ حضرت ام المومنین نے کہا ہے واقعہ میں ویسا ہی ہوا ہے پھر مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں نے عرض کیا۔ حضرت بوٹیاں تو گھل گئیں۔ لیکن کیا ہڈیاں بھی گھل گئی ہیں۔ یہ سُن کر حضرت نے فرمایا۔ کہ ہاں منشی صاحب آپ نے ٹھیک کہا۔ میں ابھی اندر جاتا ہوں۔ اور جا کر پوچھتا ہوں کہ کیا ہڈیاں بھی گھل گئی ہیں۔ حضرت

آپ کی وسعتِ قلبی

سیرت المہدی کی ایک روایت

سیٹھی غلام نبی صاحب نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ ایک مرتبہ مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم نے فرمایا۔ کہ لوگ حضرت صاحب کو تنگ کرتے ہیں۔ اور بار بار دعا کے لئے رقعہ لکھکر اوقات گرامی میں حارج ہوتے ہیں۔ میں نے خیال کیا۔ کہ میں ہی حضور کو بہت تنگ کرتا ہوں۔ شاید روئے سخن میری ہی طرف ہو۔ سو میں اسی وقت حضور کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ اگر حضور ہماری ان باتوں سے تنگ ہوتے ہوں۔ تو ہم انہیں چھوڑ دیں حضور نے فرمایا **نہیں نہیں بلکہ بار بار لکھو**۔ جتنا زیادہ یاددہانی کراؤ گے۔ اتنا ہی بہتر ہو گا ؀

اندر تشریف لے گئے۔ اور میری بات گھر والوں کے سامنے دُہرا دی۔ تو حضرت ام المومنین ہنس پڑیں۔ اور کہا۔ کہ میں نے تو مذاقاً ایسا کیا تھا۔ اور ایک اور قاب بوٹیوں سے بھر کر دے دیا۔

سبحان اللہ! کیا ہی ماننے والا دل تھا۔ کہ اگر ایک مومنہ نے مذاقاً یہ کہہ دیا۔ کہ بوٹیاں گھل گئی ہیں۔ تو اُسے ایسا ہی درست مان لیا جاتا ہے۔ جیسے کہ کوئی مصری کی ڈلی کے متعلق کہے۔ کہ وہ پانی میں گھل گئی ہے ؛

منشی صاحب موصوف نے ایک اور واقعہ بیان کیا۔ کہ ابتدائی ایام کی بات ہے۔ کہ حضرت اقدس ایک دفعہ جالندھر تشریف لے گئے۔ ان ایام میں شہر میں ہیضہ کی شکایت پیدا ہو گئی۔ ایک روز محکمہ حفظان صحت کی طرف سے منادی کرائی گئی۔ کہ فلاں فلاں چیز نہ کھائی جائے۔ جب وہ منادی والا حضرت کی قیام گاہ سے گذرا۔ تو حضرت نے خدام سے دریافت فرمایا۔ کہ کیا اعلان ہؤا ہے۔ تو میں نے مذاقاً کہا۔ کہ حضرت اعلان یہ ہؤا ہے۔ کہ چونکہ ہیضہ کے ایام ہیں اس لئے پوری کچوری خوب کھائیں۔ باوجودیکہ حضرت طبیب تھے اور جانتے تھے۔ کہ یہ چیزیں ایسے ایام میں مضر ہوتی ہیں۔ لیکن پھر بھی حضرت کا یؤمن للمومنین کا وصف اس قدر بڑھا ہؤا تھا۔ کہ جونہی آپ نے مجھ سے یہ سنا۔ فوراً جیب سے پیسے نکالے۔ کہ منشی صاحب جلدی جاؤ۔ پوریاں کچوریاں لاؤ۔ کہ ہم اپنے دوستوں کو کھلائیں۔ تو میں نے کہا۔ حضرت ہیضے کے ایام میں پوری کچوری کا کیا جوڑ۔ میں نے تو ہنسی سے ایسا کہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے سمجھا۔ کہ چونکہ حفظان صحت والوں کیطرف سے اعلان ہؤا ہے۔ اس لئے ممکن ہے۔ کہ ان کی تحقیقِ جدید میں یہ چیزیں مفید پائی گئی ہوں ؛

منشی صاحب موصوف نے ایک اور واقعہ بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ حضرت ام المومنین نے حافظ حامد علی صاحب کو ایک روپیہ دے کر کوئی سودا لانے کے لئے بازار بھیجا۔ حافظ صاحب سودا لائے۔ اور آکر دستک دی۔ تو حضرت دروازے پر تشریف لائے۔ حافظ حامد علی صاحب نے حضرت کے ہاتھ میں سودا دے دیا۔ اور ساتھ ہی عرض کیا۔ کہ حضور اتنے کا یہ سودا ہے۔ اور باقی یہ پیسے پیش خدمت ہیں۔ حضرت نے اندر جا کر سودا بھی دے دیا۔ اور پیسے بھی دے دئے۔ تو حضرت ام المومنین نے کہا۔ کہ جو حساب حافظ حامد علی نے بتلایا ہے وہ غلط ہے۔ باقی اتنے پیسے ہونے چاہئے تھے۔ آپ نے فرمایا اچھا میں ابھی میاں حامد علی سے جا کر کہتا ہوں۔ حضرت پھر باہر تشریف لائے۔ اور فرمایا میاں حامد علی۔ گھر والے کہتے ہیں۔ کہ باقی اتنے پیسے چاہئے تھے۔ حافظ حامد علی صاحب طبعاً کچھ تیز طبیعت واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ (ام المومنین) کیا حساب جانیں۔ اتنے کا سودا اور باقی اتنے پیسے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میاں حامد علی۔ واقعی وہ کیا حساب جانیں۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ پھر اندر تشریف لے گئے اور جا کر حافظ حامد علی صاحب کا جواب سنا دیا۔ حضرت ام المومنین نے پھر اپنا حساب بتلایا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! ہاں! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ اور پھر باہر تشریف لائے۔ الغرض دو تین مرتبہ حضرت کو اندر اور اندر سے باہر آنا جانا پڑا۔ اور اپنے خادم اور اپنی اہلیہ مکرمہ دونوں کی بات صدق دلی سے صحیح مانتے رہے۔

ملک غلام حسین صاحب رہتاسی مہاجر نے سُنایا۔ کہ ایک دفعہ حضرت نے مجھے فرمایا۔ کہ غلام حسین ہمارا جُوتا ٹوٹ گیا ہے۔ بازار جاؤ اور اسے مرمت کرا لاؤ۔ اور اگر کوئی نیا جوتا ملے۔ تو وہ بھی لے آؤ۔ میں جوتا مرمت کروا لایا۔ جب حضرت نے اُسے پہنا۔ تو حضرت کے پاؤں کو چبھنے لگا۔ میں پھر بازار میں گیا۔ تو مجھے ایک قریب کے گاؤں کا موچی جوتا بیچتا ہؤا مل گیا (ان دنوں بازار میں جوتا فروش کی دکان نہ ہوتی تھی) میں نے اس سے دام پوچھے۔ اس نے چودہ آنے بتلائے۔ میں نے گیارہ آنے کو لینا کر لیا۔ اُسے ساتھ لے کر میں حضرت کے گھر کی طرف آیا۔ اُسے میں نے مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے کھڑا کر کے کہا۔ کہ تم یہاں ٹھہرو۔ میں اوپر سے پیسے لاتا ہوں۔ اُسے نیچے کھڑا کرنے سے میری یہ غرض تھی۔ کہ میں حضرت کی طبیعت کو جانتا تھا۔ کہ جو کچھ بھی آپ کو کوئی کہے۔ آپ فوراً مان لیتے تھے۔ تو میں نے دل میں خیال کیا۔ کہ یہ موچی حضرت کے سامنے ہو کر جتنے پیسے مانگے گا۔ اُتنے ہی حضرت فوراً دے دینگے۔ میں نے اوپر جا کر دستک دی۔ حضرت تشریف لائے جوتا پہنا اور فرمایا۔ بہت اچھا ہے۔ قیمت دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کیا۔ گیارہ آنے۔ آپ نے فرمایا۔ اتنی تھوڑی؟ آپ نے مجھے ایک روپیہ دیدیا۔ نیچے آکر اس میں سے میں نے گیارہ آنے موچی کو دے دئے اور باقی پانچ آنے لے کر پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ آپ نے فرمایا۔ میاں یہ تم ہی رکھ لو۔

مولوی فضل الٰہی صاحب مہاجر قادیان نے سنایا۔ کہ غالباً ۹۷-۱۸۹۶ء کی بات ہے۔ حضرت اقدس شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم کے مکان بمبئی ہوس لاہور میں قیام فرما تھے۔ اس کے قریب ہی ایک میدان تھا۔ اس میں ایک یورپین عورت شیشوں میں سے کچھ تصاویر دکھاتی تھی۔ بعض خدام نے عرض کیا۔ کہ حضرت یہ تصاویر دیکھنے کے قابل ہیں۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا۔ حضرت وہاں تشریف لے گئے۔ جس شیشے پر کوئی دوست نگاہ رکھ کر کوئی منظر دیکھتا۔ اور اُسے وہ پسند آتا۔ وہ کہتا۔ حضرت یہ دیکھئے یہ بہت اچھا ہے۔ آپ فوراً اُسے دیکھتے اور فرماتے۔ واقعی یہ بہت اچھا ہے۔ اور دوسرا دوست اپنی پیش نظر تصویر کو دیکھ کر کہتا۔ کہ حضرت یہ بڑی اچھی ہے۔ اِسے دیکھئے۔ پھر آپ اُسے دیکھتے۔ اور فرماتے کہ ہاں یہ بہت اچھی ہے۔ الغرض حضرت ہر ایک دوست کی بات کو اس طرح مانتے جس طرح کہ ایک بچہ مانتا ہے ؛

مولوی صاحب موصوف نے ایک اور واقعہ بیان کیا۔ کہ بٹالے کے مہر نبی بخش صاحب نے ایک دفعہ عرض کیا۔ کہ حضرت ختم اللہ علیٰ قلوبھم کی مجھے بھی ایک تفسیر سوجھی ہے۔ کیا میں سناؤں۔ آپ نے فرمایا۔ سناؤ۔ تو اُس نے کہا۔ کہ حضرت اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ اللہ نے ان کے دلوں پر ختم پڑھ دیا۔ حضرت نے بصد شوق اس کی یہ تفسیر سن لی۔ اور حسب عادت مُنہ پر پگڑی کا شملہ رکھ کر صرف تبسم فرما دیا ؛

لاہور میں ایک دوست میاں احمد دین ڈوری باف تھے۔ غریب آدمی تھے۔ انہوں نے عرض کی۔ کہ حضرت ہمارے گھر چل کر کھانا تناول فرمائیں۔ ان کا مکان تنگ و تاریک تھا۔ اور تنگ گلی کوچہ میں واقع تھا۔ لیکن حضرت نے بصد خوشی اپنے دوست کی بات کو منظور فرما لیا ؛

مخدومی مکرمی مفتی محمدؐ صادق صاحب نے فرمایا۔ کہ ایک دفعہ گورداسپور کا سفر درپیش تھا۔ سوال یہ درپیش تھا۔ کہ آیا سیدھے یکّوں پر جائیں۔ یا بٹالہ سے ہو کر ریل کے ذریعہ جائیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ مفتی صاحب آپ کا کیا خیال ہے۔ میں نے کہا۔ کہ حضرت ریل کے رستہ جانا بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں مفتی صاحب ریل کے رستہ جانا بہتر ہے۔ چنانچہ جب بٹالے پہنچکر ریل پر سوار ہوئے۔ تو گاڑی میں یہی تذکرہ فرماتے رہے۔ کہ ریل کی سواری بڑی اچھی ہے۔ اس میں بڑا آرام ملتا ہے۔ کسی دوسرے موقعہ پر پھر گورداسپور جانا تھا۔ تو پھر وہی ریل یا یکہ پر جانے کا سوال پیدا ہؤا۔ ایک دوست نے کہا۔ کہ حضرت یکّوں پر جانا اچھا ہے۔ گھر سے سوار ہونگے اور گھر میں جا اتریں گے۔ راستے میں تبدیلی وغیرہ کی زحمت نہ اُٹھانی پڑے گی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ بہت اچھا ہے۔ پس حضرت یکّے کے ذریعہ گورداسپور تشریف لے گئے ؛

حضرت سیر کو نکلتے۔ تو کوئی دوست عرض کرتا۔ کہ حضرت آج فلاں طرف چلیں گے۔ وہ بڑا اچھا رستہ ہے۔ آپ فرماتے ہاں! ہاں! وہ بڑا اچھا راستہ ہے۔ آپ اُدھر چل پڑتے۔ دوسرے روز دوسرا دوست کوئی اور رستہ تجویز کرتا۔ آپ فرماتے۔ ہاں! یہ بہت اچھا راستہ ہے۔ آج اِدھر ہی جائیں گے۔ رستے میں چلتے چلتے کوئی دوست عرض کرتا۔ حضرت میں نے نظم سنانی ہے۔ آپ فرماتے بہت اچھا۔ اور فوراً زمین پر بیٹھ جاتے۔ نظم خوانی کا یہ عالم تھا۔ کہ خواہ کسی کی نظم کیسی ہی بے جوڑ اور بے ربط ہوتی۔ اور کیسی ہی طول طویل ہوتی۔ آپ ایسے ذوق و شوق سے سنتے رہتے۔ گویا کہ حسّان یا ملک الشعراء اخطل کا کلام پڑھا جا رہا ہے۔

کبھی حضرت بیمار ہو جاتے۔ تو اگرچہ آپ خود اعلیٰ درجے کے طبیب تھے۔ لیکن دیسی۔ انگریزی جو بھی دوائی کوئی تجویز کرتا۔ آپ فوراً اُسے استعمال فرماتے۔ اگر کوئی خواب بین یہ کہہ دیتا۔ کہ حضرت میں نے یہ خواب میں دیکھا ہے۔ کہ اس کے لئے فلاں چیز مفید ہے۔ تو آپ اسے بھی استعمال فرما لیتے۔

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب
مرحوم و مغفور

حضرت حاجی مولوی نور الدین صاحب
خلیفۃ المسیح اول

مسجد احمدیہ لنڈن